احوال عالم

مستقبل کا منظر نامہ

پروفیسر عبدالمغنی ○

مسیحی کیلنڈر کے مطابق، شمسی تقویم کے حساب سے، ہم بیسویں صدی کے آخری سال میں ہیں، جس کے خاتمے پر اکیسویں صدی عیسوی کا پہلا سال ہمارا منتظر ہو گا۔ اس لیے ابھی سے ہمیں سوچنا ہے کہ آنے والی صدی کا خیر مقدم کس طرح کریں۔ بجائے خود یہ ایک لمحہ فکریہ ہے کہ ہم اپنے کاروبار زندگی میں عیسوی اور شمسی کیلنڈر کے حساب ماہ و سال کی پیروی کر رہے ہیں، اس لیے کہ سترھویں صدی کے سائنسی اور اٹھارہویں صدی کے صنعتی انقلابات کے بعد انیسویں صدی میں اہل علم کی سیاسی و معاشی بالادستی ختم ہو چکی اور بیسویں صدی میں ہم ایک دور زوال سے گزرتے رہے، جب کہ ساتویں صدی سے سترھویں صدی عیسوی تک پورے ایک ہزار سال اہل اسلام نے دنیا کی قیادت کی اور مسیحی دنیا کو عہد وسطیٰ کی تاریکی سے دور جدید کی روشنی میں لائے:

وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ (اٰل عمرٰن ۳:۱۴۰)

یہ تو زمانے کے نشیب و فراز ہیں جنھیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں۔

گردش ایام قانون قدرت ہے اور ہمارے لیے سامان عبرت۔ لہٰذا آنے والی صدی کا، خواہ وہ کسی معنی میں ہو، سب سے پہلا پیغام یہ ہے کہ ہم اپنے زمانے کی صورت حال کو بدلنے کا منصوبہ بنائیں اور تہیہ کریں۔ اس مقصد کے لیے ضروری ہے کہ گزرتی ہوئی بیسویں صدی کا ایک تنقیدی جائزہ، اصول فطرت کے مطابق، آفاقی سطح پر لیا جائے، تاکہ ہم طے کر سکیں کہ بیسویں صدی کے ساحل سے انسانی قدروں کا کون سا اثاثہ لے کر، ہم اکیسویں صدی کے ساحل پر پہنچیں اور دو ہزار عیسوی کے بعد تیسرے ہزار میں ہمارا نشانۂ عمل کیا ہو؟

○ سابق وائس چانسلر، ایل این متھلا یونی ورسٹی، دربھنگا، بہار (بھارت)

بیسویں صدی

بیسویں صدی میں مسیحی مغرب اپنے مادی ارتقا کے نقطہ عروج تک پہنچ گیا' جب کہ اسلامی مشرق زوال کی انتہا تک۔ تاریخ میں جب کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک رنگ اپنی حدوں کو پہنچ جاتا ہے تو قانون فطرت ردعمل کی تحریک کرتا ہے اور دوسرے رنگ کی شروعات ہو جاتی ہیں۔ تبدیلی کے آثار مادی اور اجتماعی دائروں میں رونما ہوتے ہیں۔ یہ انسانیت کا ماحول ہے' لیکن افراد ہر دور میں روحانی اور اخلاقی عوامل کے تحت اپنا وہ کام کرتے رہتے ہیں جس کے نتیجے میں بالآخر تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔ یہ بقول اقبال وقت کا "تار حریر دو رنگ" ہے۔ سلسلہ روز و شب اسی طرح چلتا ہے۔ فطرت الٰہی اپنے معیار پر قوموں کو بھی پرکھتی ہے' افراد کو بھی۔

جوہری توانائی سے خلائی پرواز تک حکیمانہ انکشافات و ایجادات کی فتوحات کا ایک سلسلہ ہے جو بیسویں صدی میں مغربی طاقتوں کے ہاتھوں روپذیر ہوا۔ یہ سطح سمندر پر موج زن حالات کا بالائی دھارا ہے لیکن تہوں میں ایک زیریں دھارا بھی آہستہ آہستہ بہہ رہا ہے۔ انسان کی مادی ترقی آلات و اوزار کی بنا پر حیرت انگیز ہے اور ابھی حیرتوں کے مزید پہاڑ ٹوٹ سکتے ہیں۔ طلسم ہوش ربا قدیم زمانے میں افسانوں تک محدود تھا' جیسا عام کتابوں کی معلومات سے پتا چلتا ہے' لیکن اب وہ ایک ٹھوس حقیقت نظر آتا ہے۔ گرچہ ترقی علم کی برقی رو کا سراغ آخری کتاب اللہ (قرآن مجید) کے بعض بیانات و اشارات میں ماقبل مسیح کے سلیمان علیہ السلام کے دربار اور ساتویں صدی عیسوی کے پیغمبر آخرالزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعہ معراج میں سدرۃ المنتھٰی (سورہ النجم' پارہ ۲۷) سے بھی ملتا ہے' مگر اس عروج آدم خاکی کی علمی تشریح اور عمومی تکمیل ابھی باقی ہے۔ سائنس نے آواز سے زیادہ تیز رفتار ہوائی جہاز تو ایجاد کر لیا ہے' مگر روشنی یا بجلی کی رفتار سے چلنے والا جہاز' واقعہ معراج کی احادیث کے مطابق براق اور رَفرف کی شکل میں' ہنوز زیر فکر یا زیر تحقیق ہے۔ اسی طرح سلیمانی دور کی جسمانی ترسیل (physical transmission) ہنوز فقط ایک خواب و خیال ہے۔

تخیلات سے قطع نظر' ممکنات کی دنیا میں مادہ پرستی اپنے تمام مضمرات و اثرات کے ساتھ رائج اور غالب ہے۔ موجودہ زندگی میں فیصلہ ممکنات کے معرکہ و میدان میں ہوگا۔ البتہ ممکنات کا رخ کوئی اخلاقی قوت یا نظریاتی طاقت متعین کر سکتی ہے۔ لیکن یہ قوت و طاقت ابھی لٹریچر کے صفحات میں ہے۔ سیاست وقت پر اس کا بہت تھوڑا اثر پڑا ہے اور عوام الناس کا ذہن عمومی طور پر اس کے لیے ہموار نہیں ہوا ہے۔ عمل کے دائرے میں دین و دانش دونوں کم زور ہیں' اس لیے کہ کافراداؤں کی پُرزور حکمت عملی اپنا طلسم پورے عالم پر' مغرب سے مشرق اور شمال سے جنوب تک' قائم کیے ہوئے ہے۔ بقول اقبال ؎

متاع دین و دانش لٹ گئی اللہ والوں کی
یہ کس کافر ادا کا غمزۂ خوں ریز ہے ساقی؟

یہ تناظر ہے احوال و حقائق کا، جس کو مدنظر رکھ کر واقعات کا تجزیہ کر کے کوئی نتیجہ نکالنا چاہیے، تاکہ بات دعاؤں اور دعوؤں سے بڑھ کر حقیقتوں اور دلیلوں تک پہنچ سکے۔

بیسویں صدی کے غیر اسلامی مغرب --- یورپ اور امریکہ--- نے مختلف علوم و فنون (arts and sciences) میں اس حد تک ترقیات حاصل کیں کہ علم اور فن بقول سی پی اسنو (C.P. Snow) دو متوازی اور متضاد دائرے بن گئے۔ اس طرح ایک غیر متوازن ترقی نے انسانیت کو دو حصوں میں تقسیم کر کے سماج میں انتشار پیدا کیا۔ مادہ پرستانہ فکر یہی کر سکتی تھی، اس لیے کہ اس کے پاس شیرازہ بندی کرنے والا نکتہ توحید نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ٹکنالوجی نے خالص قوم پرستانہ تجارتی مفادات اور اجارہ دارانہ سیاسی عزائم کے تحت یورپ اور امریکہ کے اندر دو عظیم جنگیں علی الترتیب اوائل (۱۸-۱۹۱۴ء) اور وسط صدی (۴۵-۱۹۳۹ء) میں برپا کر کے مہلک ترین اسلحوں سے عالم انسانیت کی تباہی کا سامان کیا۔ اس کا اثر مغربی یا مسیحی معاشرت پر ایسا سخت پڑا کہ سارے اقدار و اخلاق غارت ہو گئے، زندگی کا کوئی فلاحی نصب العین باقی نہیں رہا۔ سرمایے کے بل پر دنیا ہی کو جنت بنانے کی ہوس نے روے زمین پر آتش جہنم کے دہانے کھول دیے۔ پھر مذکورہ جنگوں کے بعد باقی آدھی صدی قیام امن کے لیے، ستم ظریفی یہ ہے کہ، پہلے سے بھی بدرجہا زیادہ مہلک اسلحے تیار کرنے میں گزری۔ چنانچہ اس وقت پوری متمدن کہلانے والی دنیا بڑی بہادری کے ساتھ بارود کے ڈھیر پر بیٹھی ہوئی دادعیش دے رہی ہے۔ سرمایہ داری کے ردعمل میں جو اشتراکیت برسرکار آئی وہ معاشی مسئلہ حل کرنے میں بھی، حالاں کہ وہی اس کا مطمح نظر تھا، بری طرح ناکام ہوئی۔ اس کے علاوہ سوویت روس اسلحے کی دوڑ میں سرمایہ دارانہ جمہوریتوں سے بہت تیزی سے آگے بڑھ گیا، یہاں تک کہ مغربی یورپ و امریکہ اور مشرقی یورپ و روس کے درمیان فقط ایک دہشت کا توازن (balance of terror) بقول برٹرنڈرسل قیام امن یا وقفہ امن کا باعث و ضامن ہوا۔ لیکن دو بڑی طاقتوں کی یہ سرد جنگ اشتراکی روس کے خاتمے اور اشتراکی چین کے ارتداد کے بعد اب ختم ہو گئی ہے، گرچہ بارود کے ڈھیر اب بھی آتش فشاں کی طرح سلگ رہے ہیں۔ انسانیت کی نئی نسل اس صورت حال سے بالکل مایوس و مضطرب ہو کر ایک قطعاً منفی رخ پر گویا خودکشی کی طرف بڑھ رہی ہے۔

اسلامی مشرق انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل سے اولاً مغربی استعمار (colonisation) اور سامراج (imperialism) کے خلاف، دوم معاشرتی اصلاح اور سیاسی و تہذیبی انقلاب کے لیے جدوجہد کرنے لگا۔ جمال الدین افغانی ایک پیام تجدید لے کر ہندستان سے مصر تک چلے

گئے۔ ان کے ساتھ اور کچھ بعد صرف غیر منقسم ہندستان میں شبلی نعمانیؒ' ابوالکلام آزادؒ' علامہ اقبالؒ اور ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اتنا عظیم الشان لٹریچر تصنیف کیا کہ بالآخر ایک ہمہ جہتی آفاقی تحریک پیدا ہو گئی اور آخر الذکر کی کوششوں سے ایک زبردست تنظیم کی صورت اختیار کر گئی۔ برعظیم کی تحریک آزادی نے برطانیہ کی غلامی سے رہائی کے باوجود اندرونی اور بیرونی سیاست وقت کی ریشہ دوانیوں کے سبب ایسی پیچیدگی پیدا کر دی کہ آج تک اس خطے میں امن قائم نہیں ہوا۔ یہ بدامنی بہرحال آج کا رنگ زمانہ ہے اور کوئی خطہ زمین اس سے بری نہیں۔ موجودہ دور بین الاقوامی ہے اور برق رفتار وسائل نشرواشاعت نے معاملات و مسائل کی آفاقی جہت کو نمایاں کر دیا ہے۔ لہٰذا اکیسویں صدی کے منظرنامے میں بہتر رنگ بھرنے کے لیے اس جہت کو مدنظر رکھنا پڑے گا۔ یہ ایک مثالی مقصود ہے' جس تک پہنچنے کے لیے ایک واقعاتی نقشہ عمل اور نشانۂ کار مرتب کرنا ضروری ہے۔

اکیسویں صدی میں

اکیسویں صدی' بیسویں صدی کی وارث ہے اور اپنے ورثے سے منہ نہیں موڑ سکتی' تاوقتیکہ حالات کا رخ کسی عالم گیر انقلاب کے تحت بالکل بدل نہ جائے۔ جو مسائل آنے والی صدی کو گزرنے والی صدی سے ورثے میں لازماً ملیں گے اور روز بہ روز پیچیدہ سے پیچیدہ تر ہو کر آخری حد تک پہنچ جائیں گے وہ حسب ذیل ہیں:

۱- **جنسی مسئلہ** : سب سے نازک اور پرخطر مسئلہ مرد اور عورت کے فطری رشتے کا عدم توازن ہے' جس نے مادی طور پر ترقی یافتہ یورپ اور امریکہ کے مہذب کہلانے والے تمدن کو برہم کر دیا ہے' یہاں تک کہ مغرب کا خاندانی نظام پارہ پارہ (atomise) ہو کر رہ گیا ہے۔ ماں باپ' شوہر بیوی' بھائی بہن اور بیٹا بیٹی کے رشتوں کا تقدس باقی نہیں رہ گیا ہے۔ سائنس اور صنعت کی غلط روی نے فطرت انسانی کو اس حد تک مسخ کر دیا ہے کہ عورت صرف عورت کی حیثیت سے مرد کی برابری ہی نہیں' اس پر برتری حاصل کرنا چاہتی ہے۔

فرائڈ کے فلسفہ جنس نے ہوس (libido) کے ہاتھوں مذکر و مونث کی ترتیب گویا الٹ کر رکھ دی ہے۔ اب مرد کے بجائے عورت "قوام" (سربراہ خاندان) بن کر پرانے' فرسودہ و بوسیدہ مادری نظام (matriarchal system) کی قابلیت کو روبہ عمل لانا چاہتی ہے۔ مخلوط معاشرے کے سبب مرد اپنا جنسی داعیہ (sexual urge) کھوتے جا رہے ہیں۔ سمعی و بصری ذرائع کی بدعنوان ترویج نے ہر گھر کو سینما ہاؤس بنا دیا ہے۔ فحش رقص و موسیقی نے طبیعتوں کو متاثر کر کے جنس کے فطری تقاضے کو مصنوعی طور پر مشتعل بھی کیا ہے اور اس کا نفسیاتی ترفع (sublimation) بھی۔ نتیجتاً مرد و عورت دونوں کی جنس مسخ

(pervert) ہو گئی ہے اور ناجائز تعلق مغربی اور اس کے مقلد مشرقی تمدن میں بھی نہ صرف جائز بلکہ مرغوب و محبوب ہو گیا ہے۔ عورت گھر کی چار دیواری سے حیا کی چادر پھینک کر بازار و کاروبار کی قاتل ہواؤں کی زد پر آگئی ہے۔ چنانچہ نئی نسل آغوش مادر اور نگاہ پدر دونوں سے محروم ہو کر آوارہ گرد ہوتی جا رہی ہے۔ آنے والی صدی کا یہ سب سے بڑا ہائیڈروجن بم ہے جس کا انفجار (explosion) انسانیت کے پرزے اڑا دے گا۔ خاندانی منصوبہ بندی کی لعنت ابھی سے انسانیت کے مستقبل کو تاریک بنا رہی ہے۔ مرد و زن کے اعضاے جنس کے سارے آپریشن یکسر وحشیانہ ہیں۔ اس سلسلے میں مغربی طب کی تمام ترقیات معکوس ہیں۔ تہذیب مغرب نے نسوانیت کی انتہائی توہین کر کے گویا قدیم بردہ فروشی کا بازار گرم کر دیا ہے۔ یہ رجعت قہقری (reversion) آدمیت کو فنا کرنے کا سامان ہے۔

۲- **معاشی مسئلہ** : سرمایہ پرستی (capitalism) نے صنعتی انقلاب کے زمانے' اٹھارہویں صدی' سے ہی مغرب کے ماحول کو ہر جہت سے مسموم کرنا شروع کر دیا' اس لیے کہ برق و بخارات (electricity and steam) کی غیر متوازن مادہ پرستانہ ترقی نے عدل اجتماعی (social justice) اور ماحولیات (ecology) دونوں کے فطری و انسانی تقاضوں کو نظرانداز کیا۔ عقلی دور (age of reason)' اس کے بعد سائنسی دور (age of science) اور سب کے اوپر تکنیکی دور (age of technology) نے پیہم ذہن و کردار کو چند دولت مند افراد کی عیاشی (luxury) کی طرف موڑ دیا' جب کہ بڑھتا ہوا افلاس عوام کا مقدر بن گیا۔

کارل مارکس نے جرمنی سے انگلستان کے گہوارۂ صنعت میں آکر اس رجحان زمانہ کے خلاف سوشلزم کا فلسفہ پیش کیا۔ یہ ردعمل انتہاپسندانہ تھا۔ لینن اور اس کے شاگرد رشید اسٹالن نے اس فلسفے کو روس میں کمیونزم کی وہ آمرانہ شکل دے دی جس نے عوام کا نام لے کر عوام پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ دیے۔ یہ دراصل سیاست بازوں کی دفتر شاہی کا عروج تھا۔ اس نے ایک نیا سامراج مشرقی یورپ سے چین تک قائم کیا۔ کمیونزم کے تحت وسائل کی ریاستی اجارہ داری (state monopoly) نے کیپٹلزم کے تحت انفرادی اجارہ داری سے بڑھ کر ناانصافیاں کیں۔ اشتراکیت نتیجتاً معاش کا وہ مسئلہ حل کرنے میں قطعاً ناکام ہوئی جو اس کی واحد نظریاتی بنیاد تھی۔ چنانچہ سوویت روس پون صدی کے اندر بکھر گیا' گرچہ روس کی پرانی زارشاہی اب بھی ایک نئی شکل میں جور و جفا اور قتل و غارت گری کا بازار گرم کیے ہوئے ہے۔ افغانستان سے ذلیل ہو کر نکالے جانے کے بعد اب یہ چیچنیا (کوہ قاف) کے حسین علاقے کو تباہ کر رہی ہے۔

اس طرح کیا سرمایہ داری' کیا اشتراکیت دونوں نے اپنی اپنی جگہ انسان کے معاشی مسئلے کو حد درجہ الجھا دیا ہے۔ یہ الجھن اکیسویں صدی میں اور زیادہ بڑھے گی' اس لیے کہ اشتراکی اجارہ داری اور آمرانہ دفتر

شاہی پر بے روک اور بے لگام سرمایہ پرستی اور نفع اندوزی کا غلبہ' جس کے آثار پوری دنیا میں نمایاں ہیں' چور بازاری کرنے والے بلیوں کا اقتدار معاشی میدان میں حد سے زیادہ بڑھا دے گا۔ اس طرح ہوس پرست سرمایہ دار لوگوں اور قوموں کی تقدیر کے مالک بن کر سماج کا دیوالیہ نکال دیں گے۔ حکومت وقت ان کی محتاج ہوگی اور ان کے ظالمانہ اشارے پر چلے گی۔ انسانی اقدار و اخلاق سے معیشت کا دائرہ خالی ہو جائے گا اور بندگان شکم وحشیوں کی طرح اپنی اپنی قوموں کو لوٹیں گے' پھر ان کے خالص تجارتی مفادات ایک تیسری اور اب تک کی مہلک ترین جنگ عظیم کا سامان کریں گے' جس میں مغرب و مشرق نیز جنوب و شمال کی تمیز ختم ہو جائے گی۔ مترفین (خوش حال لوگ) یہ جنگ عام مفلسوں پر عذاب کی طرح نازل کر کے بالآخر آپس میں ایک دوسرے کو ہلاک کریں گے۔ اس آفاقی تباہی سے بچاؤ کی صورت دبے اور کچلے ہوئے لوگوں (مستضعفین) کا کسی بڑے نظریے کے تحت اتحاد اور زر پرستوں سے حق پرستانہ جہاد ہے۔

۳- سیاسی مسئلہ : شہنشاہی اور جاگیرداری کے بعد مغرب کے مفکروں نے جمہوریت کا وہ نقشہ پیش کیا جو آج پوری دنیا کا عقیدہ ہے۔ برطانیہ کی پارلیمانی جمہوریت اور امریکہ کی صدارتی جمہوریت کے دو سیاسی نمونے جدید تمدن کی بساط اقتدار پر رونما ہوئے۔ انھی نمونوں کو سامنے رکھ کر یا ان کے عناصر کو ملا جلا کر ایشیا و افریقہ میں مغربی انداز کی جمہوریتیں قائم ہوئیں۔ اشتراکی روس اور چین نے رنگ زمانہ کو دیکھ کر پُرفریب عوامی جمہوریت (people's democracy) کا نعرہ لگایا۔ یہ ایک کھوکھلی نقالی ہے' جس کی روح درحقیقت اشتراکی آمریت (dictatorship of the proleteriat) ہے۔ استبداد اور دفتری اجارہ داری اس کا نشان ہے۔ برطانوی اور امریکی جمہوریت بھی پارٹی بندی یا گروہ بندی کا دوسرا نام ہے۔ اس میں اقتدار برائے اقتدار اور مخالفت برائے مخالفت کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ عدل اجتماعی کا تصور بھی معدوم ہے۔ اکثریت اور اقلیت' جو محض تعداد پر مبنی ہوتی ہے' کسی ضابطے پر کاربند نہیں ہوتی۔ ۵۱ جو چاہیں کریں' ۴۹ کا کوئی وزن نہیں ؎

جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

اس عددی جمہوریت میں تعداد کا استبداد ہے' عام حریت اور عوامی آزادی نہیں۔ پھر جمہوری حربے وہی ہیں جو شاہی حربے ہوا کرتے تھے ؎

دیو استبداد جمہوری قبا میں پاے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری

بیسویں صدی کی پامال کردہ یہ سیاست وقت اکیسویں صدی میں دیر تک جاری نہ رہ سکے گی اور اس کی

شمع بالآخر بھڑک کر کسی وقت بجھ جائے گی۔ اس کے بعد جو سیاسی تاریکی چھائے گی۔ ممکن ہے کہ اس کو دور کرنے کے لیے قومی فسطائیت یا فوجی نازیت کے ہول ناک فانوس اسی طرح جلائے جائیں جس طرح بیسویں صدی کے تقریباً وسط میں اٹلی اور جرمنی میں روشن ہوئے تھے۔ روسی استبداد کی رجعت بھی اس کے خاص خطے میں متوقع ہے۔ لیکن یہ شاید ایک عارضی بھڑک ہو' جس کے نتیجے میں دنیا کو جمہوریت' فسطائیت اور آمریت کے بہتر بدل کی تلاش ہوگی۔ آنے والے دنوں میں سیاسی سطح پر امریکی قوم پرستی ایک عالمی فتنہ بن سکتی ہے۔ روس کی علاقائیت بھی کم فتنہ انگیز نہیں۔ یورپ میں جرمنی ایک بار پھر دنیا کے لیے چیلنج بن سکتا ہے۔ چین اور جاپان کسی فتنے کے اتحادی بھی ہو سکتے ہیں اور بجائے خود علاقائی فتنے بھی بن سکتے ہیں۔ ہندستان میں کوئی سیاسی کش مکش ہو سکتی ہے۔ مغربی ایشیا میں ایران اور مشرق وسطیٰ میں اسرائیل کوئی بھی غیر معمولی سیاسی اقدام کر سکتے ہیں۔

۴- **مذہب و معاشرت :** جنس' معیشت اور سیاست سماج کے اوپری ڈھانچے ہیں۔ ان کی بنیاد میں ایک طرف مذہبی عقیدہ ہوتا ہے' دوسری طرف معاشرتی اقدار۔ دراصل عقیدہ ہی اقدار ترتیب دیتا ہے۔ لیکن بسااوقات عقیدہ و اقدار میں انحراف کی صورت پیدا ہوتی ہے' جس سے مذہب و معاشرت دونوں مجروح ہوتے ہیں۔ بیسویں صدی میں ایسا ہی ہوا۔ اس کا سبب مشرق پر مغرب کا سیاسی استبداد اور معاشی جبر ہے' جس نے تمدن کی تجدید و ترقی کے نام پر تہذیب کو مسخ کر دیا۔ صنعتی آلات نے بقول اقبال احساس مروت کو کچل دیا۔ انسانیت کی قدر صنعت کے مقابلے میں گھٹ گئی۔ سائنس کے مادہ پرستانہ رخ نے فقط تن پروری کو رواج زمانہ بنا دیا۔ یہ بے روح اور بے کردار فیشن پوری دنیا کے معاشرے میں پھیل گیا۔ اس کے چکر میں ذہنی قوت پستیوں کی طرف مائل ہوگئی اور دانش وری کے عنوان سے بے دانشی عام ہوگئی۔

غلام ہندستان میں اردو زبان و ادب کے دین پسند اہل قلم نے لادین سماجی لہر پر روک لگانے کی کوشش کی' جو تحریک کی حد تک شروع ہی میں کامیاب ہوئی' لیکن تنظیم کی نوبت صدی کے وسط تک آئی۔ اس کے باوجود رائے عامہ ہنوز دینی نظریے کے لیے جمہوری سیاسی سطح پر ہموار نہیں ہوئی۔ خود مسلمانوں کے درمیان اسلام پسندی پوری زندگی کا نظریہ و نظام نہیں بن سکی۔ اس کے بجائے روایتی رسم و رواج مذہب ہی کے نام پر جاری رہے۔ اس سے ایک تو اہل مذہب کی بدنامی ہوئی' دوسرے سماجی پستی بڑھتی چلی گئی اور ملی طور پر مسلمانوں کی پسماندگی انتہا تک پہنچ گئی' سیاست میں بھی' معیشت میں بھی۔ صدی کے آخر تک یہی کیفیت ہے۔ ممکن ہے کہ اگر یہ احساس زیاں' اقبال کے لفظوں میں' عام ہو تو متاع کارواں گم شدگی کے بعد بازیاب ہو۔ اقبال اور مودودی رحمہما اللہ کے افکار' ملت اور انسانیت کے لیے اکیسویں صدی کی سب سے بڑی پونجی بن سکتے ہیں۔ سوال اصلاح معاشرہ کے ساتھ ساتھ سیاسی انقلاب کا

بھی ہے۔ بال جبریل کی مشہور نظم "مسجد قرطبہ" کے آخری بند سے پہلے کے بند میں مغربی مسیحی دنیا کے فکری انقلابات کا ایک جائزہ لینے کے بعد مفکر شاعر کہتا ہے ؎

روحِ مسلماں میں ہے آج وہی اضطراب
راز خدائی ہے یہ کہہ نہیں سکتی زباں

اس کے بعد زبورِ عجم کی ایک نظم نما غزل کا ایک شعر اس طرح ختم ہوتا ہے:

خواجہ از خونِ رگ مزدور سازد لعل ناب
از جفائے دہ خدا یاں کشت دہقاناں خراب
انقلاب!
انقلاب! اے انقلاب!

(ترجمہ) سرمایہ دار مزدور کے خون سے سرخ موتی بناتا ہے، اُدھر زمین داروں کے ظلم سے دہقانوں کی کھیتیاں اُجڑ چکی ہیں۔ انقلاب! انقلاب! اے انقلاب!

مطلب یہ ہے کہ ملت اور انسانیت دونوں کو آنے والے زمانے کی حقیقی قیادت کے لیے تجدید و انقلاب کے مرحلوں سے ایک خاص رخ پر گزرنا ہے، جس کی نشان دہی شاعر بانگ درا کی مشہور نظم "شمع اور شاعر" کے اختتام پر پہلے ہی کر چکا تھا ؎

شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے

اکیسویں صدی کا منظرنامہ

قرینہ غالب ہے کہ اکیسویں صدی کا آفتاب جب روے زمین پر طلوع ہو گا تو ۲۰۰۱ء میں کوئی بڑی طاقت باقی نہیں رہ جائے گی، اس لیے کہ جس امریکہ کا اخلاقی دیوالیہ بے پناہ مادی طاقت کے باوجود پہلے ہی نکل چکا ہے اس کا معاشی دیوالیہ بھی مستقبل قریب میں نکل جائے گا۔ سودی نظام اپنی پالی ہوئی سرمایہ داری کو تدریجی تقلیل نتائج (diminishing return) کے تسلیم شدہ معاشی عمل کے تحت رفتہ رفتہ کھا جائے گا یا دنیا کے بازار میں بالکل ننگا کر کے چھوڑ دے گا۔ اس کے بعد امریکہ کی سیاسی بازی گری اسی طرح مذاق کا ایک موضوع بن جائے گی جس طرح برطانیہ کی سلطنت پر سورج ڈوبنے کے بعد اس کی سامراجی سیاست بن گئی۔ روس اب پنپنے والا نہیں۔ سکڑتے ہوئے اشتراکی سامراج کے دن گنے ہوئے ہیں۔ چینی اژدہا دنیا پر اپنا پھن اٹھائے گا لیکن اسے دیوار چین پر ٹیک کر رہ جائے گا، یا زیادہ سے زیادہ اس کی پھنکار جنوب مشرقی ایشیا میں سنی جائے گی۔ جرمنی یورپ کا قائد بن کر امریکہ کی چودھراہٹ کو مغربی افق پر چیلنج کرے گا۔

جاپان کا معاشی دیو بھی امریکہ ہی سے زور آزمائی کرے گا۔ اسرائیل کی نسلی تنگ نظری اسے خفیہ ریشہ دوانیوں سے آگے نہیں بڑھنے دے گی اور فلسطین یروشلم ہی میں اس کے پاؤں کی زنجیر بن جائے گا۔

مغرب کی نوآبادیاتی شہنشاہی، رئیسانہ جاگیرداری، ظالمانہ سرمایہ داری، فرعونی اشتراکیت اور آمرانہ فسطائیت و نازیت کی نظریاتی شکست و ریخت کے بعد مشرق تاریخ کے آیندہ دور میں اپنا تعمیری کردار ادا کرنے کے لیے آزاد ہو گا۔ لیکن سوال ہے، کیا ایشیا و افریقہ کسی ایسی نظریاتی بنیاد پر متحد ہو سکیں گے جو یورپ اور امریکہ کی انسانیت کو بھی حریت، اخوت، مساوات اور عدل اجتماعی کا پیغام دے کر پوری دنیا کی متوازن ترقی کے اگلے مرحلے کا سامان کرے اور عروج آدم خاکی کی یہ آخری منزل اپنی جھلک قریب سے دکھانے لگے؟

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

یہ اکیسویں صدی کا سب سے بڑا سوال ہے، جس کے صرف اصولی جواب کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ اس کی تعمیل و تکمیل قدرت الٰہی کے ہاتھوں میں ہے۔ مشیت صرف اشارے کرتی ہے۔ کیا کوئی فراست اس اشارے کو سمجھ سکتی ہے؟ ہے کوئی ایسا مدبر عامل (factor) جس میں عنقریب رونما ہونے والے منظرنامے میں کردار و عمل کی صلابت و جرأت بھی ہو؟

تقدیر امم کیا ہے؟ کوئی کہہ نہیں سکتا
مومن کی فراست ہو تو کافی ہے اشارا

مشہور عالم مورخ آرنلڈ، جے، ٹائن بی کے خیال میں صرف اسلام کا تصور توحید آج کی بکھرتی ہوئی انسانیت کی شیرازہ بندی کر سکتا ہے اور جوہری نظریے (nuclear theory) کے خالق جس نظریہ اضافیت (theory of relativity) نے عالمی سماج کو پارہ پارہ کیا ہے وہی نظریہ توحید کے تحت آ کر آفاقی وحدت کا سامان بھی کر سکتا ہے، اس لیے کہ اس نے انیسویں صدی کی سائنس کی مطلق مادہ پرستی کو ریاضیاتی طور پر رد کر دیا ہے (ملاحظہ ہو پیام مشرق، مطبوعہ ۱۹۲۳ء میں علامہ اقبال کا اردو دیباچہ)۔

حقیقت ایک ہے ہر شے کی خاکی ہو کہ نوری ہو
لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرے کا دل چیریں

یہ کائنات میں اصول وحدت کا سائنسی سراغ ہو گا، جس سے وحدت اللہ اور وحدت انسانیت دونوں کے مسلم الثبوت تصورات دریافت ہوں گے۔ اسی نقطۂ نظر کی روشنی میں "خضرراہ" کے اس اہم ترین نکتے پر نظر ڈالنی چاہیے

ربط و ضبط ملت بیضا ہے مشرق کی نجات
ایشیا والے ہیں اس نکتے سے اب تک بے خبر

اس نکتے کا اتمام ضرب کلیم کی "شعاع اُمید" کے اس خاتمے پر ہوتا ہے:

مشرق سے ہو بے زار، نہ مغرب سے حذر کر
فطرت کا اشارہ ہے کہ ہر شب کو سحر کر

اس منظرنامے میں ایک آفاقی جہت سے ملت اسلامیہ یا امت مسلمہ اور عالم انسانیت نہ صرف ایک دوسرے سے ہم آہنگ بلکہ ایک دوسرے کے ہم معنی ہو جاتے ہیں۔ قرآن حکیم نے امت مسلمہ کو امت وسط اور خیرامت اسی معنی میں کہا ہے اور بلاامتیاز فرقہ و طبقہ امربالمعروف اور نہی عن المنکر کو ملت اسلامیہ کا منصبی فریضہ قرار دے کر اسے پوری دنیا کی اصلاح و فلاح کی جدوجہد پر مامور کر دیا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے اسی طرح حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحمتہ للعالمین ہیں۔ اس سلسلے میں رائج الوقت قوم پرستی کی لعنت کو ختم کرنے کے لیے الدین پر گام زن ہونے والی امت مسلمہ کو سب سے آگے بڑھ کر اقدام و عمل کرنا ہو گا۔ اسی طرح ملوکیت کے بجائے خلافت اور عددی جمہوریت کے بجائے اجماعی شورائیت اختیار کرنی ہو گی۔ معاشی نظام کو سود سے پاک کرنا ہو گا اور معاشرت کو عیاشی اور بے حیائی سے۔ یہ مجاہدہ وقت جہاد فی سبیل اللہ کی وسیع ترین شکل ہوگی، جس میں قلم سے تلوار تک استعمال کی جائے گی۔ اجتہاد کا دروازہ بھی کھلا ہوا ہے اور وہ کتاب وسنت کی روشنی میں اجماع امت سے رو بہ عمل آتا رہے گا۔ اس کی شکل پارلیمانی بھی ہو سکتی ہے، بشرطیکہ طریق انتخاب میں بہتری لا کر اسے حقیقی نمایندگی کا ضامن بنایا جائے۔ مختصر یہ کہ صحیح نظریہ حیات کے ساتھ صالح نظام زندگی کو بھی وسیع ترین پیمانے پر رائج و نافذ کرنا ہو گا۔

اہم اقدامات

اس ہمہ گیر انقلاب کے لیے حسب ذیل نکات کو مدنظر رکھنا ہو گا:

۱- معاشرے کو بدعات و خرافات سے پاک کرنا ہو گا۔ اس کے لیے مسجدوں سے گھروں تک کے نظام کو درست کرنا ہو گا۔ نماز ادا کرنے میں اعتدال سے خطبے میں توازن تک کا انتظام کرنا ہو گا۔ خواتین اور اولاد کو شرعی نظم و ضبط کا پابند بنانا ہو گا۔ ازدواج میں وسعت و سہولت حسب شریعت پیدا کرنی ہو گی۔ قدیم رسوم کو یک قلم ختم کر کے جدید رواجوں کو رد اور بند کرنا ہو گا، تاکہ پورے سماج پر محیط جاہلیت کی تباہ کن غارت گری سے نجات ملے اور ایک بوسیدہ و فرسودہ معاشرے کے بجائے ایک تازہ اور صحیح معنوں میں ترقی یافتہ معاشرہ وجود میں آئے، جو ایک چست، درست، مستعد اور موثر خاندانی نظام پر استوار ہو۔

۲- معیشت کو ملازمت کے چکر سے نکالا جائے۔ زراعت' صنعت و حرفت اور تجارت کو فروغ دیا جائے۔ معاشی نظام رئیسوں کی آمرانہ سود خوری کے بجائے محنت کشوں کی جمہوری شرکت نفع و نقصان پر مبنی ہو۔ سرمایہ و محنت کا یہ باہمی تعاون و اشتراک حقیقی جمہوریت' مساوات اور اخوت کا باعث ہو گا۔ اس طریقے سے ہر طبقے کو یکساں سماجی انصاف ملے گا' ہر فرد کو بلاامتیاز اپنی صلاحیت و مشقت کے مطابق زندگی کی دوڑ میں آگے بڑھنے کا موقع ملے گا۔ اس سے ملعون و مہلک طبقاتی کش مکش کے بجائے باہمی مفاہمت کی صورت پیدا ہوگی اور ایک صحت مند و صالح مسابقت معاشرتی فلاح کی ضمانت دے گی۔ اس سے بے جا اور نامنصفانہ تحفظ کی جگہ ایک معقول عادلانہ تناسب سے شہریوں کے ہر حلقے کے فروغ کا سامان ہو گا۔ سب سے بڑھ کر فرد و ملت کا وہ ربط باہمی رونما ہو گا جس کے بغیر کوئی معاشرہ نہ تو قائم ہو سکتا ہے نہ باقی رہ سکتا ہے۔

۳- معاشرتی و معاشی مقاصد کے حصول کے لیے موجودہ ازکار رفتہ' سراسر ناکام اور بے نتیجہ سیاسی نظام میں تبدیلی ضروری ہے۔ "بالغ رائے دہی" کے ساتھ ساتھ "عاقل رائے دہی" کا بھی بندوبست کرنا ہوگا' خواہ وہ تعلیم و تربیت کے ذریعے ہو یا قواعد وضوابط کے مطابق۔ اس سلسلے میں عوامی نمایندگی کے قانون میں ضروری اور مناسب رد و بدل بھی کیا جا سکتا ہے۔ یہ مہم باہمی مشاورت اور اجماع امت سے سرانجام دی جا سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اور رسولؐ اللہ کی قانون سازی کے سوا کوئی بھی قانون سازی نہ تو دائمی ہے نہ غیر متبدل۔ اس میں انقلاب ہوتا رہتا ہے اور ہوتے رہنا چاہیے۔

انقلاب اوپر سے نہیں آنا چاہیے' جیسے فوجی آپریشن مارشل لا کے بل پر' بلکہ اسے نیچے سے رائے عامہ کی بنیاد پر ہمواری اور استواری سے لایا جانا چاہیے' تاکہ یہ صحیح معنوں میں شورائی اور اجماعی ہو اور دیرپا ثابت ہو۔ اس سلسلے میں جو طریق نمایندگی اختیار کیا جائے' وہ عوامی اور انتخابی ہونے کے ساتھ ساتھ اخلاقی طور پر قابل قبول اور لائق اعتبار ہو' خواہ وہ پارلیمانی یا صدارتی ہو' یا ملا جلا' یا دونوں سے بالکل الگ مگر بہتر۔ قیادت کا معیار لازماً لیاقت و خدمت پر مبنی ہو اور اس کا محرک و مقصود بداہتہً صلاح و فلاح ہو۔ صحیح ترین طرز سیاست و حکومت کا واحد تاریخی و مثالی نمونہ خلافت راشدہ ہے' جس کی کوئی نظیر معلوم تاریخ عالم میں موجود نہیں۔

اکیسویں صدی اور امت مسلمہ

دنیا کی پوری تاریخ میں نظریۂ زندگی اور نظام حیات' جو روز اول سے کائنات اور انسانیت کا نصب العین رہا ہے' صرف اس امت مسلمہ نے پیش کیا ہے جو آفاق میں اللہ کے دین فطرت کی علم بردار رہی ہے۔ خواہ یہ امت عروج و زوال کے قدرتی قانون کے تحت حالات کے جس مرحلے میں رہی ہو' اس کا دین ہمیشہ اپنی جگہ قائم و دائم رہا ہے اور ہر دور میں بالآخر انسانیت کی بگڑی اسی نے بنائی ہے' اس لیے کہ اس

کے سوا کوئی دین زمین و آسمان کے خالق و مالک کے نزدیک مقبول و معتبر نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام سے ہٹ کر پچھلی دو صدیوں میں دنیا نے سیاست و معیشت و معاشرت کے جتنے فلسفوں کو آزمایا اور چلایا، محدود مادی ترقی اور عارضی غلبے کے بعد وہ سب ناکام ہو گئے اور آج تاریخ ایک بار پھر کسی بہتر نظریہ و نظام کا سوال کر رہی ہے۔ یہی اکیسویں صدی کا مسئلہ ہے، جس کا حل صرف اسلام کے پاس ہے، خواہ سب انسان اس دین پر ایمان کا اعلان کریں یا نہ کریں۔ اس دین کے ماننے والوں نے ساتویں سے سترہویں صدی تک پورے ایک ہزار سال دنیا کی قیادت کی ہے اور انسانیت کا متوازن مادی و روحانی ارتقا انھی کے ہاتھوں ہوا ہے، گرچہ ان کی فرماں روائی کے طویل دور میں عیسائی، یہودی، مجوسی، ہندو وغیرہ سبھی مختلف عقیدوں کے ماننے والے حفاظت و عزت کے ساتھ نہ صرف زندہ رہے بلکہ آزادی اور برابری سے ترقی کرتے رہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اور رسولؐ اللہ کا قرآنی تصور یہ ہے کہ وہ سارے جہاں کے یکساں پروردگار (رب العلمین) اور سارے عالم کے لیے یکساں رحمت (رحمة للعالمین) ہیں۔

اب اکیسویں صدی میں حق و باطل کا وہ معرکہ جو انیسویں اور بیسویں صدی سے چلا آ رہا ہے اپنے آخری اور فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو جائے گا، جس کے بعد یا تو قیامت ہو گی یا اسلام کی نشاتِ ثانیہ۔ بیسویں صدی کے اواخر کی گہری اور وسیع تاریکی قانونِ قدرت کے مطابق ایک نئی صبح کی روشنی کی طرف اشارہ کر رہی ہے ؎

کشتیِ حق کا زمانے میں سہارا تو ہے
عصرِ نو رات ہے، دھندلا سا ستارا تو ہے

یہ صداقت ابھی پردے میں ہے اور مسلمان خود عملی طور پر دنیا اور اسلام کے درمیان ایک پردہ بنے ہوئے ہیں۔ لیکن عصرِ حاضر کے مسائل کا تقاضا یہ ہے کہ پردہ اٹھے اور حقیقت نمودار ہو:

چشمِ اقوام سے مخفی ہے حقیقت تیری　　ہے ابھی محفلِ ہستی کو ضرورت تیری
زندہ رکھتی ہے زمانے کو حرارت تیری　　کوکبِ قسمتِ امکاں ہے خلافت تیری
وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

یہ قرآن کا وعدہ ہے اور اسے پورا ہو کر رہنا ہے۔ اسلام کائنات کا آفاقی دین ہے۔ اس پر کسی قوم یا فرقے کا اجارہ نہیں۔ یہ انسانیت کی ضرورت ہے۔ جو صالح جماعت قانونِ قدرت کے مطابق اصلح (fittest) بن کر اٹھے گی وہی نظریۂ اسلام کے مطابق آنے والے دور میں دنیا کا نظام یا اصلی نظامِ نو (new world order) چلائے گی اور بوسیدہ و فرسودہ مغربی نظام، جس پر امریکہ اور یورپ کی مسیحی دنیا کو

فخر ہے' اپنی موت آپ مرجائے گا۔

ضرورت ہے کہ ملت اسلامیہ ایک بنیادی اور کلی انقلاب (radical and total revolution) کا مطمح نظر سامنے رکھ کر' مقامی و علاقائی کے بجائے عالمی و آفاقی سطح پر اٹھے' خواہ اٹھنے والی کوئی حکومت نہیں' نظریاتی جماعت ہو' اور اس کے وسائل محدود نیز قیادت ابتداً چھوٹی ہو۔ مذہبی و نسلی فرقہ واریت سے صرف نظرکر کے اصولی و عمومی تحریک و تنظیم ہی اس سلسلے میں درکار ہوگی۔ اقبال و مودودی رحمہما اللہ کا تصنیف کیا ہوا تحریکی لٹریچر صرف اردو میں بھی اتنا عظیم الشان ہے کہ ایک کامیاب جدوجہد کے لیے کافی ہے۔ اس کے ترجمے دیگر زبانوں میں جس حد تک کیے جا چکے ہیں' اس سے زیادہ کیے اور پھیلائے جا سکتے ہیں۔ ہمارے ان عظیم ترین مفکروں کے افکار کتاب و سنت پر مبنی ہونے کے سبب اکیسویں صدی کے لیے بھی اتنے ہی اہم اور مفید ہیں جتنے بیسویں صدی کے لیے رہے ہیں۔ ان کی اجتہادی اور تجدیدی کاوشیں آفاقی جہت رکھتی ہیں اور ان کے نتائج عالمی پیمانے پر پیش کیے جا سکتے ہیں۔ وہ اپنے عہد کے' جو ابھی جاری ہے' بہترین دماغ تھے اور ان کے مقابلے کا کوئی دانش ور ہنوز کسی بھی زبان میں نہ تو ابھرا ہے' نہ مستقبل قریب میں اس کے ابھرنے کی امید ہے۔ اقبال کی نظم اور مودودی کی نثر آج کی دنیا کی بہترین نظم و نثر ہے۔ دونوں پر قرآن مجید کے لافانی اعجاز بیان کا پرتو ہے۔

ضروری نہیں کہ سب پڑھنے والے ان خیالات سے پورا اتفاق کریں لیکن جو لوگ بھی متفق ہوں وہ اپنا فرض عملاً ادا کریں' انفرادی طور پر بھی' اجتماعی طور پر بھی۔ اگر ایسا ہو سکا تو توقع ہے کہ اس کام کے اثرات اکیسویں صدی کے اوائل ہی میں ان شاء اللہ نمایاں ہو جائیں گے۔ صحیح فکر کی وسعت اگر عمل کی وسعت بھی اختیار کر لے تو اس کی تاثیر اپنے آپ واضح ہو جائے گی اور اس کی کامیابی میں زیادہ دیر نہیں ہو گی۔

یہ گھڑی محشر کی ہے' تو عرصۂ محشر میں ہے
پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

ماہنامہ ترجمان القرآن
انٹرنیٹ پر دیکھا جا سکتا ہے
www.tarjumanulquran.com
E-mail: tarjuman@pol.com.pk